اصلاح

بَل یَدَاہُ مَبسُوطَتَانِ

از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلما مولانا الحاج
السید علی اظہر صاحب دامت برکاتہ

الرسالۃ الیدین ۱۳۲۷ھ

CHECKED 199

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شائع ہوا

ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑھنے مین ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہئے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندھ جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔

چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتا دیا کہ کلوخ لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ مین حضرت عمر کی سنت پر قائم ہین جسنے ثابت کر دیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبی پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برؤسکم وا... م الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

غسل قدمین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا اور رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین یہ بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر ترو الیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ وقت دفن اونکے ساتھ جرید تین رکھے جائین۔ مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے؟ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور راہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمین ان لفظون سے لکھتے ہین۔

فضل واجمعوا علی انہ یسن وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ الا فی روایۃ عن مالک وھی المشہورۃ انہ یرسل یدیہ ارسالا وقال الاوزاعی بالتخییر واختلفوا فی محل وضع الیدین فقال ابو حنیفۃ تحت السرۃ وقال مالک والشافعی تحت صدرہ فوق سرتہ وعن احمد روایتان اشہرھما وھی التی اختارھا الخرقی کمذھب ابو حنیفۃ والسنۃ عند الثلاثۃ ان ینظر المصلی الی موضع سجودہ ص ۳۸ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (آئمہ اہلسنت نے) کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑہتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑہنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑہے یا باندہکر۔

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابو حنیفہ کہتے ہین زیر ناف۔ (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے مطابق ابو حنیفہ ہے (زیر ناف

اور تینوں کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز میں نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کہولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے جہاں چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہیں لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اوسمیں یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دلمیں آیا ویسا کیا ہے۔

تو گو یہ مقولہ کسی مسلم کا نہیں ہوسکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکھا جس سے معلوم ہو کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانوں کی جماعت متفرق ہو۔ اکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا فتذھب ریحکم شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر اونہونے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہین کہ مذہب مالک ارسال ہے (ہاتھ کہولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ قائل تخییر ہین۔

کہ عمل مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہاں رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری میں امام شافعی سے ناقل ہیں و به صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلهما ولم يعبث بهما فلا بأس (صفحہ ۱۲۳)

یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام میں کہ اگر دونوں ہاتھ کھولدے اور ان سے کھیل نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسسے معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہیں اور اسکو جائز جانتے ہیں۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ میں کوئی دلیل شرعی ان لوگوں کے پاس نہیں ہے جس سے ہر قسم کے فتنہ وضع ہوگئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین میں داخل ہے۔ اوسکی یہ گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہیں کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کس طرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہیں ساتھ باندھتے ہیں یا کھول کر پڑھتے ہیں۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہیں ہے جس سے استدلال کرسکیں۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

اف رے بےخبری مسلمانوں کی نماز سے اور اوسکے ارکان و آداب سے کہ اسدرجہ بےخبر ہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور اونکی روایت با فعل پہ مذہب کا مدار کیا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب وعترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعون مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

مصالح قبض و بسط ید اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا۔ تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے اون فواید و مصالح پر نظر کیجیے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان تجویز نکالی ہین۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايته انه يرسل يديه ارسالا ومع قول الاوزاعي انه يتخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة متوقف

یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکہنا چاہیے یا جو اسکے قائم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے۔ اور قول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کہولے یا باندہے۔ پس پہلا قول (باندہنے کا) مشدد ہے

العبد بين يدى سيده
وهو خاص بالاكابر من العلماء
والاولياء بخلاف الاصاغر
فان الاولى لهم ارخاء اليدين
كما قال به مالك رحمه الله
وايضاح ذلك ان وضع
اليمين على اليسار يحتاج
فى مراعاته الى صرف الذهن
اليه فيخرج بذلك كمال
الاقبال على مناجاة الله
عز وجل التى هى روح الصلوة
وحقيقتها بخلاف ارخائهما
بجنبيه ثم اختلفوا فى محل
وضع اليدين فقال ابو حنيفة
تحت السرة وقال مالك
والشافعى تحت صدره
فوق سرته وعن احمد روايتان
اشهرهما كمذهب ابى حنيفة
واختارها الخرقى ووجه

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف میں تفاوت ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ
اونکے لئے یہی اولی ہے کہ ارخاء
کریں (ہاتھ کھولے رہے ہیں) جیسا
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ دائیں ہاتھ کا رکھنا بائیں پر۔
اسکا محتاج ہے کہ ذہن بٹا ہوا ہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
میں کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع
میں کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کھولنے کے دونوطرف (کہ اوسمیں

الاول خفة كونها تحت السرة
على المصلي بخلاف وضعها
تحت الصدر فانه يحتاج
الى مراعاتها لثقل اليدين
وتدليهما اذا طال الوقوف
فرجع الامر الى مرتبتي الميزان
فلذلك كان استحباب
وضع اليدين تحت الصدر
خاصا بالاكابر الذين
يقدرون على مراعاة شيئين
معا في ان واحد دون
الاصاغر وسمعت سيدي
عليا الخواص رحمه الله يقول
وجه قول من قال بعدم
استحباب وضع اليدين
تحت الصدر مع ورود ذلك
من فعل الشارع كون مراعاة
المصلي دوامها تحت الصدر
يشغله غالبا عن مراعاة

خضوع میں کمی نہ ہوگی)
پھر اسمیں اختلاف ہے کہ دونو
ہاتھ کہاں رکھے جائیں - ابوحنیفہ
تو تحت السرہ کہتے ہیں (زیرناف)
اور مالک وشافعی کہتے ہیں تحت
الصدر، فوق السرہ (سینہ کے
نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو
روایت ہے مشہور وہی ہے جو
موافق ابوحنیفہ ہے - اسکو خرقی
نے اختیار کیا ہے پہلے (زیرناف)
کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہاں رکھینگے
تو نماز پڑھنے والے پر کوئی ثقل -
(بوجھ) نہ ہوگا - بخلاف اسکے کہ اگر
سینہ کے نیچے رکھینگے - تو وہ اسکا
محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا
خیال رکھا جائے - کیونکہ ہاتھ
خود ثقیل ہے - اور فطرۃً وہ
نیچے لٹکا چاہتا ہے جب دیر تک
قیام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
او جعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة الا مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الامتثال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معا في آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى بذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
برابر ہو گیا یا پلڑا - اسلئے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء) کے لئے جو قادر ہیں دونو
امر کی مراعات کے (یعنی حضور
کا بھی خیال رکھیں - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالیں) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہیں
ہے)

مینے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہیے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہیں حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھون کا کھولنا اولی ہے

تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام مین کہ وہ اگر ہاتھون کو

ص ۱۲۵

کہولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین — اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتھونکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال مین جمع حاصل ہوگا۔ انتہیٰ ترجمہ

یہ ہین توجیہین اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کہال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمین کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی ہے جسکا ماحصل یہ ہے۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہین کیونکہ اسوقت مین اوسکا دل و دماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال مین حقیقی قلب مین فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کہولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا جس سے بہر طور حضور قلب مین کمی ہوگی

اب یہان تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد مین جاکر اوسکے پیشنماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہین) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیون کی مسجد مین جائے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد مین۔ اور غور کی نگاہ سے دونون کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑھ رہا ہے - اور سنی اپنی نوکری بجالا رہا ہے کہ جلد کام کرکے بھاگو -

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے - ایک (لور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے انٹرمیڈیٹ اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ - اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئیے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب سے معظم و محترم جانتے ہین -

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم -

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جسمین زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے - اور حضور قلب بالکل نہو -

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کا کم ہونا لازم ہے - تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے -

اسکی وجہ تو آپکو مخفی ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوۃ ۔ ابوبکر عن عثمان النہدی قال عمر لاجہز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے تحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کر کے روانہ کر دیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑہ رہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہے اسی وجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی رسم داری کے لئے تہی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑہتے تھے ہاتھ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلّم ہو چکا کہ ہاتھ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہین ۔ اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہین۔

یہان اگر نماز جناب امیر پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تہے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تھا کہ تحمل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اوسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے جب ہاتھ کہلے رہین - اور ہاتھ باندہنے مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہو سکتی - تو اب جنلوگو نکو نماز بحضور قلب پڑہنا ہو او نکو یہی لازم ہے -

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر - دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے - اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو جائے تو بہتر و الا آیہ ومن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیے -

قرآن سے استدلال ہاتھ باندہنے پر اب اسپر اور ترقی کیجیے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارو نکو آپ بھول جائین کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑجائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کر دیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندہنا چاہیے دیکھیے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵ برحاشیہ الیواقیت والجواہر -

ذکر الشیخ فی الباب التاسع و الستین وثلثمائة مانصہ اعلموا ان من آداب الوقوف	یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب و قوف سے سامنے خداوند عز وجل کے تذلل

بین یدی اللہ تعالی فی
الصلوۃ الذل والمسکنۃ و
التکنف شغل العبد الذلیل
فی حال مناجاۃ سیدہ و قد
وردت السنۃ بذلک وھو
عندی احسن من اسبال
الیدین قال وایضاح ما قلنا
ان اللہ تعالی قسم الصلوۃ
بینہ وبین عبدہ نصفین فجزء
منھا یخلص للہ من اولھا
الی قولہ مالک یوم الدین
فھذا بمنزلۃ الید الیمنی اشارۃ
للقوۃ الالھیۃ قال تعالی
لاخذنا منہ بالیمین والجزء
الاخر یخلص للعبد من قولہ
اھدنا الی اخر السورۃ فھذا
بمنزلۃ الیسری الذی ھو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما کان جزء منھا بین

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا ذلیل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین۔
اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔
اور چونکہ ایک جزو اس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يديه في الصلوة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذي عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعالى
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ مراعاة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ٥ برحاشيه
اليواقيت والجواہر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتھون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتھونکا رکھنا سینہ پر
۔انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتھونکا کھولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا سینہ
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکھنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتھونکا
کھولنا اولی ہے۔غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتھون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایان ہاتھ ہوا۔ اور نصف حصہ بندوں کے لئے وہ بایان ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک ہین لہذا دونو ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا چاہیے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہوٹے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمائش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چکیو نمین حل کر دیا کہ لیلۃ القدر مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا ۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظون سے اس تحقیقات کو لکھتے ہین اور پھر شرماتے ہین۔

تفسیر کبیر مین ہے صفحہ ۶۳ جلد ۸۔

وثالثها نقل عن ابن عباس انه قال ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور ثلث مرات فيكون السابعة والعشرين

اور فتح الباری مین ہے۔ وقد استنبط بعضهم ذلك من جهة اخرى فقال ليلة القدر تسعة احرف اعيدت في السورة ثلث مرات فذلك سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونہونے کہا لیلۃ القدر مین نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ مین آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری مین ہے کہ بعض لوگون نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہین اور سورہ مین تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری مین ہے وزعم ابن قدامہ ان ابن عباس استنبط ذلك من عدد كلمات السورة وقد وافق قوله فيها هي سابع كلمة بعد العشرين وهذا نقله ابن حزم عن بعض المالكيه وبالغ في انكاره نقله ابن عطيه في تفسيره وقال انه من ملح التفاسير وليس من متين العلم ص ۲۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسوان کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے - اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد مین اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر مین اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار رکن۔ اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول سے بلکہ توہمات وخیالات پر اونکی بنیاد ہوتی ہے بنیے کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہین اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ بہت ۹ کو تین مین ضرب دیتے ہین کہین کلمات سورہ کو گنتے ہین حالانکہ خود اونکے یہان بالتفاتہم۔ اکثر اہل علم تاریخ ۲۳ کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعون سے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز مین قیاس فرمایے کہ محض اس سے کہ شیعہ۔ مطابق سنت رسولؐ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین اسلئے اونہونے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعان مصر جو خلیفہ تھے باواز بلند کہا کرتے ہین جیسا کہ تاریخ کامل مین ہے

وما ترك الجهر بالبسملة فی جوامع بغداد لان العلويين صحاب مصر كانوا يجهرون بها فترك ذلك مخالفة لهم لا اتباعا للمذهب :

احمد الامام ص ۱۱۳ جلد ۱۰
یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز میں بغداد کی مسجد و نمیں اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر میں تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ خلفائے علویین کی خلافت مصر میں ۲۹۶ھ سے قایم ہوئی پہلے او دکیطر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹا دی جائے۔ مگر چند روزون مین اوسکی قوت اتنی بڑہ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑہا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنین ع کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پہر سنت شیخین کو عداوت جناب امیر سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنها ترك التسمية في الصلوة جهر الما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار و قالوا اسرقت التسمية يا معويه ص ۲۔

یعنی معویہ کی بدعتو نسے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین و انصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

چرا لیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علوین مصر کے قبل بھی بسم اللہ
کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز مین بسم اللہ
الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہئے چنانچہ رسالہ البسملہ مین پوری تحقیق اسکی
کر دی گئی ہے۔ یہان بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے
لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابی حنیفة	یعنی انہین اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ
ومالك ان البسملة ليست من	الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے
الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعی	ہین۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہین ہے
واحمد انها منها فتجب وكذلك	لہذا واجب نہین۔ قول شافعی و
القول فی الجهر بها فان مذهب	احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے
الشافعی الجهر بها ومذهب ابی	اب اسمین اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہئے
حنیفة الاسرار بها وكذلك احمد	شافعی قائل جہر ہین کہ بلند آواز سے
وقال مالك يستحب تركها والافتتاح	کہو۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے (کہ اگرچہ واجب
بالحمد لله رب العالمين وقال ابن	نہین ہے مگر) کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب
ابی لیلی یتخیر وقال النخعی الجهر بها	احمد ہے۔ مالک قائل ہین کہ ترک
بدعة فرجع الامر فی المسئلتین الی	بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع
موتبتی المیزان ووجه الاول فی	کرنا چاہئے۔ ابن ابی لیلی قائل تخیر
المسئلة الاولی والثانیة الاتباع۔	ہین۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقرءھا مع الفاتحۃ
تارۃً ویترکھا تارۃً اخری
فاخذ کل مجتھد بما بلغہ من
احدی الحالتین وفی ذلک
تشریع للاکابر والاصاغر من
اھل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابہ حین دخل فی
الصلوۃ وکان مشاھداً
للحق تعالی بقلبہ فلا یناسبہ
ذکر الاسم الذی ھو شعار
اھل الحجاب ومن لم یکشف
حجابہ فالمناسب لہ ذکر
الاسم الشریف لیتذکر بہ
صاحب الاسم کما ورد فی
بعض الھواتف الربانیۃ اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من ھذا ان من راٰہ بقلبہ
لا یؤمر بذکر اسمہ ومن ھنا

ہین کہ جہر کرنا بدعت ہے تواب
یہ مسئلہ میزان ہین دو امر کیطرف
راجع ہے۔ وجہ اول دونو
مسئلہ مین اتباع ہے کیونکہ وارد
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑہتے تھے
کبھی نہ پڑہتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)

اس اختلاف سے اکابر واصاغر
کے لئے دو حکم علحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف مین
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہین
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور مین
حاضر ہے۔ اور جسکو یہ درجہ نہین
حاصل ہوا اوسکو کہنا چاہیے۔ اسکی
طرف اس شعر مین اشارہ کیا گیا ہے
ع خدا کے یاد کرنے سے گناہ بڑہتی

الغز بعضهم ذلک فی شعره
فقال ؎
بذکر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذکر الله افضل کل شئی
وشمس الذات لیس لها مغیب
ویؤید ذلک قول الشبلی
رحمه الله حین قالوا له متی
تستریح فقال اذا لم ار لله
تعالی ذاکرا ای لان الذکر
لا یکون الا فی حال الحجاب
عن شهود المذکور فما تمنی
الشبلی الا حضرة الشهود
لانها هی التی لا یری الله
تعالی فیها ذاکرا بلسانه اکتفاء
بمشاهدته تعالی ومناجاته
بالقلب وحضرة الحق تعالی
بهت وخرس لشدة ما یطرق
الیها من الهیبة والتجلی

ہین - اور آنکہ اور دل اندہے
ہو جاتے ہین - حالانکہ ذکر خدا
ہر شی سے افضل ہے - اور شمس ذات
کبھی غائب نہین ہوتا - اسیکا موید ہے
قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام
ملتا ہے - کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا
کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے - کیونکہ
ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے
لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود
رہے - کیونکہ اوسیوقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہین دیکھتے -
مینے اپنے بہائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے
اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے -
کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی
نہین اوٹہتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب
کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے
یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب
مین نظر نہین ملتا - سید علی خواص کہتے

قال تعالیٰ وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمہ اللہ یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
لان حجاب العظمۃ لم یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلابد من
حجاب لکنہ یدق فقط انتہی
وھو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمۃ اللہ یقول
ذکر اللہ تعالیٰ علی نوعین ذکر
لسان وذکر حضور کما ان
ترک الذکر کذلک علی نوعین
ترکہ من حیث الغفلۃ وترکہ
من حیث الحضور والدھشۃ
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل والاول من الترکین
مذموم والثانی محمود وھو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے
اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی
محمول ہے۔

سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ
(بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا
تو پھر کسیکو جرات نہوتی کہ کوئی
کلمہ کہہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیه قول الشبلی
انفا و سمعت سیدی علیا
الصفی رحمة الله تعالی یقول
انما کان رسول الله صلی
الله علیه وسلم یترک البسملة
فی بعض الاوقات ویذکرها
فی بعض الاوقات تشریعا
لضعفاء امته واقویائهم
والا فهو صلی الله علیه وسلم
حاضر مع ربه علی الدوام
لانه ابن الحضرة واخو الحضرة
وامام الحضرة - وسمعت سیدی
علیا الخواص رحمة الله تعالی
یقول لولا ان الله تعالی امر
الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار
اذا وقفوا بین یدیه فی الصلاة
ما تجرء احد منهم ان ینطق
بکلمة لعظم الهیبة لاهل
تلک الحضرة ولکن ربما یجلی

اس قسم کے لوگونکو ہر وقت محیط رہتی
ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی
تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے
مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہ سکتا ہے
نہ جہر کرسکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے
کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سہو نسیان
ہوجاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں

تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی
تحقیقات یہان نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا
ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح
تباہ کی گئی ہے - اور کسطرح کا
اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت
تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول
فخر رازی - یہ امر متواتر ثابت ہے
کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ
پڑھا کرتے - پھر یہ لوگ کیونکر اسکے
مدعی ہوسکتے ہین کہ ہم سنت
رسول کے عامل ہین۔

له الحق تعالى في بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فيعجز عن الجهر بالبسملة او بالتكبير فيكون ذلك من باب قوله صلى الله عليه وسلم انما انسى ليستن بي فافهم۔۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیوں نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام ہیں اور اسطرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہیں۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہیں ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیونکے لئے اور درجہ رسول اوسمین معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہیں۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف بہرحال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہی جائے۔ اور ہاتھ باندہکر نماز پڑہنے میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولیٰ دلائل رسالت میں

اب ہم یہاں اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہیں جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہاں دلائل شرعی چار ہیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہیں۔ اور اجماع میں بھی کلام ہے۔ مگر با اینہمہ اوسکے قائل ہیں لہذا انہیں تینوں دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی ہیئت اسمین

مذکور ہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ النسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ
ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہان قول یا فعل صحابی ہے۔
حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول و فعل صحابی حجت نہین۔ مگر جس
مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی سمجھے
مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمونکے
نہونا چاہئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندھنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے
آیا وہ کالمجرمین بنتے ہیں یا نہین۔

دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت
ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندھنے سے لہذا
ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونے کی مذمت کرتا ہے

والذین یبغونہا عوجا

ان آیات سے اگرچہ فقہا نے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی
اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام
قرآن مجمل مین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین
استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے
نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی
حقیقت دوسرے جلد مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف احادیث

صحابہ پیش کیے جاتے ہین جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول وفعل صحابہ کے مقابل ہین اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے نہ حدیث رسول مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوة حدثنا هشيم عن يونس عن الحسن ومغيرة عن ابراهيم انهما كانا يرسلان ايديهما في الصلوة - ثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا ابن علية عن ابن عون عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشماله قال انما فعل ذلك من اجل الدم ثنا عمر بن هرون عن عبد الله بن يزيد قال ما رايت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوة كان يرسلها ثنا يحيى بن سعيد عن عبد الله بن العيزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فراى رجلا واضعا احدى يديه

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے۔ عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارہ مین کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے تو کہا یہ نہین کیا تہا مگر بسبب خون کے ہے عمر بن ہرون عبداللہ بن یزید سے روایت کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری هذه علی هذه او هذه علی هذه فذهب ففرق بینهما ثم جاء۔

مین وہ دونو ہاتھہ پھیلا دیتے تھے یحیی بن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعہ سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھون نے دیکھا کہ یہہ ہاتھہ اسپر رکھے ہین (داہنا بائین پر) یا یہہ اس ہاتھہ پر (بایان داہین پر) تو وہ گئے اور دونو ہاتھون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بھانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین حضرت ابوبکر کے نواسہ ہین جو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتھہ کھول کر نماز پڑھا کرتے۔

انکی وفات ۷۳ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پھانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[1] مین خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کھولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑھتے

[1] اسماء الرجال مشکوٰۃ عبد الحق دہلوی مین ہے۔ وقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انہاک عن ہذا قالہا ثلاثا اما واللہ لقد کنت ما علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیہ وانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیہود ص ۱۰ قلمی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو دور خلفائے ثلثہ اور اپنی خالہ جان وا ماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ حسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتہہ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ وتابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتہہ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور راے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال واحادیث پر بناے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاھدا ورعا محدثا من مشاھیر التابعین واجلتھم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرؤیا کثیر العلم والورع کثیر الصمت له سبعة اوراد باللیل لقی صدرا کثیرا من الصحابة قال ھشام ادرك من اصحاب النبی ﷺ ثلثین نفسا واشتھر بفنون علم الشریعة وکان من اورع اھل البصرة و سمع ابن عمر و انس وعمران بن حصین وابی ھریرة و زید بن ثابت و من سواھم مات سنة عشر ومائة بعد الحسن

بمائه لیله وهو ابن سبع وسبعین سنة ص۲۳ النسخة قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں ۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدة وسکون التحتانیة بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبة بطن من اسد بن خزیمة نسبة الی والبة بن عمرو بن الحارث کوفی من اعلام التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر و انسا واکثر روایته عن ابن عباس وقرأ علیه علم التفسیر والقراءة ومهر فی القراءة مهارة تامة حتی انه یروی عنه انه ختم فی رمضان وقراء فی کل لیلة بغیر قراءة قراءها فی الاخری وروی عنه الاعمش وعمرو بن دینار وابو ایوب وابو بشر وامم قتله الحجاج بن یوسف فی شعبان سنة ۹۵ه خمس وتسعین وله تسع واربعون ص۲۵ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں ۔

الحسن البصری هو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیة وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیة وبالسین المهملة وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبة وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافة عمر بن الخطاب بالمدینة وقدم البصرة بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منه وقیل انه لقی علیا بالمدینة واما بالبصرة فان رؤیته ایاه لم یصح لانه کان فی وادی القری متوجها نحو البصرة حتی قدم علی بن ابی طالب

ويقال لقى طلحة وعائشة ولم يصح له منهما سماع وروى عن غيرهما
من الصحابة مثل ابى بكرة الثقفى وانس بن مالك وسمرة بن جندب
وعمران بن حصين وابى موسى وابن عباس وجندب وروى
عنه خلق كثير من التابعين كان كبير الشان رفيع الذكر راسا
فى العلم وهو امام وقته فى كل فن وعلم وزهد وورع وعبادة ومات
فى رجب سنة عشر ومائة كذا فى جامع الاصول والكاشف ص ۲۸ قلمى

خلاصہ حکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہین اعلام ستہ فقہہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد
ورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہین حجت ہین۔ حافظ ہین۔
متقن ہین خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے۔ بہت سے
اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہین کہ تیس صحابی سے انہون نے
ملاقاتین کی۔ اور علوم شریعت مین بہت مشہور ہوگئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن
حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے
ہین۔ تو پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز مین اپنی خواہش نفس سے
تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہونے اسیطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا
خود بھی اسیطرح پڑھے ۹۴ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا
معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہین۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔
ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہین اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس
سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان مین یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو تمام

مین بہی قرأت سعید پڑہتے تھے۔ انسے اعمش۔ عمرو بن دینار۔ ابو ایوب۔ ابو بشر
وغیرہ روایت کرتے ہین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا۔ انکو اسدرجہ مبالغہ تھا
کہ اگر کسیکو ہاتھ باندہتے دیکھتے توجا کر اوسکا ہاتھ کہولدیتے۔

حسن بصری کے تذکرہ کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے
عثمان کی خلافت مین بہونچے اور حدیث بہی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے
ملاقات کی اور جابر انس کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین
امام تھے علم زہد عبادت تقوی ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتھ کہولکر
پڑہتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس نے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ
ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتھ باندہ کر
نماز پڑہتے دیکھتے تو دوڑکر اوسکے ہاتھ کہولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی
صحت ثابت کی جاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ بہی داخل ہے
جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا
چاہیے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین
اور علماے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات
اللبیب مین لکہتے ہین مطبوعہ لاہور ۱۲۸۴ھ ص ۲۴۳

وثانیہما ان عمل اھل المدینۃ المقدسۃ دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ مبرکہ

على ما كنا افضل الصلوة
والتسليمات من اقوى حجج الدين
عندنا ونرى الامر فيما طريقه
النقل من ذلك على ما يرى
الامام الاكبر عالم المدينه
مالك بن انس الاصبحي من
ان اجماع اهل المدينة
المطهرة حجة حتى انه عولت
علماء مذهبه في ارسال اليدين
حالة القيام في الصلوة على
عمل اهلها مع وجود المرفوع
الصحيح في قبض اليمنى على
اليسرى وحملوه على الحاجة
عند طول القيام وحضوره
بها بدليل عمل اهلها لما تخص
الحديث الصحيح بحديث اخرى
مثله ولا يجوز ذلك في التخصيص
وارتكاب خلاف الظاهر
يرى احد من علماء القبض
وان روى مطرف وابن
الماجشون عن مالك
انه استحسنه لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتون سے دین
کے ہے۔ اور اس مسئلہ مین میری رائے
مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک
بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس
بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ۔
حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے
اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑہنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ
کا یہی عمل تہا لہذا اونہون نے۔ اسی کو
اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح
مرفوع اس مادہ مین موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکہنا چاہیئے
(اس حدیث کا حال دوسرے جملہ
مین ملاحظہ فرمائیگا) اور اونہون نے
یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر
بوجہ طول قیام ہاتھ بھر جاے تو ہاتھ
باندہ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل
اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالك الارسال وصار اليه اكثر اصحابه وروي عنه اباحة القبض في النافلة بطول القيام وكره في الفريضة قال ابن الحاجب ان ذلك حيث ميسك معتمد القصد الراحة نقله الزرقاني في شرح الموطا قال ابن عبد البر ان القبض لم يات عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فيه خلاف وهو الذي ذكره مالك في الموطا ولم يحك ابن المنذر وغيره انتهى

وانت قد علمت ما ذكره غير ابن المنذر عنه وقوله وهو الذي ذكره مالك في الموطا اراد منه ان ذكره في الموطا يدل على كونه مذهبا له فهو استدلال ضعيف فان العلم محيط بضنيع في الموطا من انه ربما يروي فيه ما يخالف مذهبه كما فعل في قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث سے خاص کر دی جاتی ہے۔ اور نہین جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء سے اپنی راے سے لہذا معلوم ہوا کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے) ہان مطرف اور ابن ماجشون نے امام مالک سے انکی روایت بھی کی ہے کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے تھے۔ مگر ابن قاسم نے امام مالک سے ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے) اور یہی مذہب ہے انکے اکثر اصحاب کا۔ اور ہاتھ باندھنے کے بارہ مین صرف اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب طول قیام کے۔ اور فرض نمازون مین مکروہ جانتے تھے۔ کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اوسوقت

الصبح حيث اقتصر فيه
على اثر ابن عمر رض فعلم جوازه
مع ان القنوت في الصبح مذهبه
الثابت عنه وان اراد ان
ما ذكره من اثر ابن عمر حجة
علينا فجوابه ان اثر ابن
عمر لا يعارض عمل اهل المدينة
بل قد اشرنا ان حديث سهل
في رفع القبض المروي في
صحيح البخاري اقوى حجة
عليه بعمومه وعلى اصحابه حيث
تمسكوا بعمل اهل المدينة
والارسال هذا لم ينفرد
مالك فقد جاء فيه الآثار
عن سلف التابعين روى جملة
من ذلك الامام ابو بكر
بن ابي شيبة في مصنفه وفيه
اثر عن عبد الله بن زبير رض
رواه في المصنف بسنده
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا يزيد بن ابراهيم
قال سمعت عمرو بن دينار
قال كان ابن الزبير اذا صلى

نوافل مین جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہین جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا مین ۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ مین کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا مین اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہین نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف کہتے ہین مگر تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے ۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا مین اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی اونکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہین کہ امام مالک موطا مین ایسی
روایتین بھی لاتے ہین جو اونکے مذہب
خلاف ہوتی ہین جیسا کہ قنوت صبح

یومعلی یدا بیدہ میں اونہون نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہیں جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
ہے نماز صبح میں جو ثابت ہے اوسے۔
اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہیں
ہوسکتی۔ بلکہ جیسے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہیل
جو صحیح بخاری میں مروی ہے درباره ہاتھ باندہنے کے وہ بھی
اوسپر حجت نہیں ہے بوجہ عموم اسکے۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ مستمسک اونکا عمل اہل مدینہ ہے (جو ذرایت ہے۔ اور یہ
روایت)
اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہیں منفرد ہوئے ہیں بلکہ بہت سی روایتیں اسمین سلف صحابہ
تابعین سے آئی ہیں جنہیں امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
میں ذکر کیا ہے۔ (میں ان سبکو پہلے لکھ چکا ہوں) اوسمیں عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا میں نے
عمرو بن دینار کو کہ تھے ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تو ہاتھوں کو
کھول دیتے۔ (تمام ہوا ترجمہ)
اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی

مذہب تھا کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے - اور اونکی دلیل یہ ہے
کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتھہ کھولکر نماز پڑہا کرتے -
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہی
جسمین اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھہ پر رکھنا چاہئے - مگر اسپر
بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنا چاہئے کیونکہ
وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہین کہ بوقت ضرورت ہاتھہ
باندہنا چاہئے - اسلئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے
تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت -
علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمین اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ
حجت ہے یا نہین - مگر اس سے کسیکو انکار نہین کہ اہل مدینہ کا عمل یہی
تھا کہ وہ ہاتھہ کھولکر نماز پڑہا کرتے جس سے ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ
یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ صلعم تھا کہ حضرت کو سنتے یونہی نماز
پڑہتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑہا کرتے -
تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل
رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہین کہہ سکتا کہ اہل مدینہ
کا عمل خلاف عمل رسول تھا -
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمامی صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھہ
کھولکر نماز پڑہا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہین -
اور عمل اوسیوقت کہا جاسکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہ سکتے بلکہ عمل بعض
اہل مدینہ

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک
بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر
ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارہ میں روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی ردی
ہو گئی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ
کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ تو اب یہ دو ہی احتمال ہو سکتا
ہے ویا یہ ہے کہ تمام ائمہ تمام صحابہ اور اہل مدینہ کل رسول کے خلاف
کرتے تھے۔ کہ حضرت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ اوسکے
خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ میں نہیں کہ سکتا کوئی سنی
اسکا دعوی کر سکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین
یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ
آئندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور
دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمیں متابعت حکم رسول ضروری نہیں
یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خودغرضی سے حکم رسول کی مخالفت
کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمیں ہر شخص محکوم ہے
کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت
کرے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہوا یہی تھا کہ وہ ہاتھ
کھول کر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔
کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں یا تابعی۔ مگر
مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا بھی یہی
معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ
وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت
بالتخصیص یوں تھی کہ عمرو بن دینار کی سمجھ میں کبھی یہ مسئلہ کبھی بھی معرض اختلاف میں
نہیں آیا تھا بلکہ سب کا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے
لہذا اسکو اس طرف کبھی التفات بھی نہ ہوا کہ نماز کیونکر پڑھی جاتی
ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی جب اس اختلاف کی بنیاد
پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن
الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ
تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی
تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابوبکر
کے نواسہ تھے۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل
زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور
تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے عمل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہو سکتا ہے۔ پس اونکے اس طرز عمل نے بتادیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنا نہ صرف اونکے علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آباؤ اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کرسکتا کہ اونکی نماز اوس طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسماء و زبیر کے خلاف ہو۔ اور چونکہ مینے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب مین اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدهلوی حیث نفی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا و اثرا و یقول سالت فی الحجاز عن ذلک بعض علماء المالکیہ فلم یاتوا بشیء سوی امر خطابی ذکروہ مما لا یلتفت الیہ اهل العلم اصلا وعمل اهل المدینۃ المعظمۃ فی ذلک عند علماء مذهبہ اقوی من آثار التابعین والصحابۃ فیہ صفحہ

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقاً نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لائے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر

خطابی کے حالانکہ نقل اہل مدینہ مصطفیٰ اس بارہ میں مالکیہ کے نزدیک

قوی تر ہے آثار تابعین سے بھی زیادہ ہے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے یعنی نقل اہل مدینہ کا ثابت ہے کیونکہ

اگرچہ قول شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا دلیل نہیں ہو سکتا ہے مالکیہ کے اثبات مذہب پر

تو معلوم ہوا کہ مذہب امام مالک یہی تھا کہ احادیث کو اوپر عمل کرنا ترک کرتے

جس سے شیخ نے انکار نہیں کیا بلکہ تسلیم و قبول کیا تو ثابت ہوا جو شیخ عبد الحق

کے نزدیک قابل اعتماد تھا۔

یعنی مقصود ہمارا اتنا ہی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب

تھا اور اوسکی دلیل اونکے نزدیک یہی نقل اہل مدینہ ہے جو آثار

صحابہ و تابعین سے بھی زیادہ قوی ہے۔

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ کے نفی احادیث صحیحہ کی دلیل ہے کہ ملا معین لکھتے ہیں دراسات میں ھذا ان

مالکا و اصحابہ یردون الاحادیث الصحیحۃ عن ظواہرھا ویترکون

بہ آثار الصحابۃ کما یترکون بالمرفوع وانما ترک الحدیث الصحیح

بعملھم فیدل علیہ مذہب مالک فی عدم اجزاء صوم الولی

عن المیت مع ورود الحدیث الصحیح قال القسطلانی فی شرح

البخاری واجاب المالکیۃ عن احادیث الباب بدعوی

عمل اہل المدینۃ انتہی یعنی عملھم بعدم الاجزاء (صہ ۲۴۲)

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ اونہوں نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہاں لوگوں سے دریافت کیا تو اپنی رائے سابق سے رجوع کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہیں احادیث صحیحہ میں جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو۔ اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک کرتے ہیں اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہیں حدیث مرفوع سے

رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہیں حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اوسکی دلیل یہ ہے کہ مذہب مالکیہ میں یہ ہے کہ ولی کا تقدم مستحب ہے مجزی نہیں ہے حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ میں وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہ مالکیوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہیں جانتے

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے میں ہو۔ تو وہ حدیث اسوجہ سے مردود ہوگی کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے۔ حالانکہ ہم آئندہ چلکر بتائینگے انشاءاللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ میں کوئی نہیں۔

امام شافعی بھی یہی کہا

علامہ مذکور لکھتے ہیں وامام المطلبی الشافعی بانہ درة الفرید من مجد شرف هاشم رحمه الله سبحانه به صدور المحبين شلج العلوم من اهل هذا البيت المقدس رض فقد روى الشعراني في كتابه تلخيص السنن للبيهقي المسمى بالمنهج المبين في جمع ادلة المجتهدين عنه بسنده عن الهروي عن يونس بن عبد الاعلى قال سمعت الشافعي

یقول کل حدیث جاء من اھل العراق ولیس لہ اصل فی الحجاز
فلا نقبلہ (لعدم صحتہ عندنا) وان کان صحیحا انتھی (فی نفس الامر
لان الحجۃ بعد الثبوت) ومنہ یخرج ان عمل اھل المدینۃ المقدسہ
یترک بہ الحدیث الصحیح عند غیرھم مطلقا او عند اھل الکوفۃ
بخصوصھم فان عملھم علی شئ ورد بخلاف الحدیث عند غیرھم
لا یتصور الا بانتفاء اصل ذلک عندھم والا لما وسعھم الخلاف
ومن لم یقبل ھذا الحدیث المعارض لعملھم وجب علیہ التمسک
بہ وترک ما خالفہ ووجہ ذلک ان عملھم دلیل قوی علی وجود
الحدیث الصحیح فی ذلک عندھم وحدیثھم یترجح علی حدیث
غیرھم عند ھذین الامامین (مالک والشافعی) وفی ھذا
جواز الاعتماد علی العلم الاجمالی بوجود الدلیل الراجح مع وجدان
الدلیل المعارض بہ بعینہ وذلک مخصوص فی عمل اھل المدینۃ
المشرفۃ عندھما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی
نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو
حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اسکی کوئی اصل
اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح
نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔
پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث کے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہمیں دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثیں قابل ترجیح ہیں مالک و شافعی کے نزدیک دوسروں کی حدیث پر۔

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل اہل مدینہ کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک،،

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ میں نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہی نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے وہ حدیث بھی صحیح نہیں اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیوں نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اسکے مقابلہ میں کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ ہوتی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال یدین کے قائل ہوئے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہیں شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہیں

رسالہ [illegible]

ہیں [illegible] یوں ظاہر کرتے ہیں وعندی ان حکم تقدیم عمل اهل المدينة المعظمة على الحديث الصحيح مخصوص بما سوى الصحيحين بعد تدوينهما فان ما اخرجه الشيخان قد تلقتهما الامة بالقبول وهو من جملتها بل ... ادائها علماء المدينة الطيبة ص ٣٤

یعنی میری رائے میں یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ حدیث صحیح پر اس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمیں علماء مدینہ بھی داخل ہیں۔

جسکے مطلب یہ ہوئے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ میں حدیث صحیح بھی قابل قبول نہیں۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہیں کہ انکی حدیثیں نہیں مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثیں اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہوں تو وہ مردود ہیں۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سے صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین انتہی

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی رائے ہے جو مقابل مذہب امام مالک یا امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبدالعلی صاحب لکھنوی اپنے علماے سے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین سنہ ۲۵۲ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار رہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ انکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہ ہوتا - یہی وجہ ہے کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا بہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ و تابعین و تبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہوسکتی محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سوروں پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جس پر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہوسکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہوسکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجۃ قطعًا و یفید العلم الجازم عند الجمیع من اهل القبلۃ ص ۲۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم الیقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کردئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں بھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہیں۔
ومما اعتقدہ حجیۃ اجماع
اہل بیت النبوۃ رضی اللہ تعالی
عنہم وعملہم وھو عندی وعند
کل منصف اقوی من عمل اہل
المدینۃ وذلک لان حجیتہ
لیس الا من حیث ان ماتوارثہ
اہل بلد صاغرا عن کابر مستمرا
من غیر طریان تغیر علیہ یستند
عادۃ الی رئیس ذلک البلد
اذا کان معلوما باہتمام مراسم
خاصۃ فی ریاستہ وترویجہا
علی مرؤسیہ من اہلہ وذلک
فی توارث اہل بیتہ کذلک
واستنادہ الی رئیس البیت
وصاحبہم الذی یعلو بہم
ویسوسہم مع شدۃ اعتناءہم
بالاتیان بما یامرہم واتباعہم
فی کل ما یفعلہ اقوی فی العادۃ
واثبت فی الحفظ فانہم اضبط
الاقوام لحالہ واعلم باقوالہ و
اعمالہ بل لا یصل الی اہل
البلد من رئیسہ کثیر شیء من

مین اسکا بھی معتقد ہون کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل
اُن مین بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر وتبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات واطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہین خصوصاً جب اوس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ
اپنے مراسم خاصہ کی ترویج مین اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست مین
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصهار من اهل بيته
لاسيما ويدخل في اهل بيته نساؤه
ايضا مع الذكور من اولاده
واقربائه وخدمهم ومواليهم
فيحيطون باحوال داخل
البيت وخارجه وما نعني
من اهل بيت النبوة في
هذه المسئلة الا ما يشتمل لنسائه
صلى الله تعالى عليه وسلم و
ذكور بني هاشم والمطلب فاذا
اجمعوا على شئ وتوارث ذلك
فيهم فهو عندي حجة سمعت
شأنها وصفتها على ما ذكرنا هذا
مجرد ما يعطي وحدة البيت
معه صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهل حضرته من
الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعالى عليه
وسلم والزائد على ما يعطي من
ذلك وحدة البلد معه
صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة [illegible] اياه صلى الله
تعالى عليه [illegible]

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم
ہوگا کہ سب اوس رئیس کی ہدایت اور
تعلیم سے ہے۔

اسی طرح اہلبیت کا توارث اور
اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان
کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم
ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت
کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے
خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد
کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو
اسمین کہ وہ لوگ بجا لائین اوسکے
کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات
مین اوسکی پیروی کرین۔

تو ایسے امور جو اوس خاندان
مین جاری ہون وہ من حیث النقل
نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات
سے زیادہ واقف اور اقوال و
افعال مین زیادہ متبع ہونگے [illegible]

الی ذالک حدیث الثقلین
فمن ورد منهم علی امر من
بیانه مما یکاد یثبت فی کل
واحد من علمائهم العصمة اهل بیت
فان لم یثبت فیه ففی کلهم
عند اجماعهم علی امر فان لم
یثبت العصمة رأسا فغلبة
ظن الاصابة فی کل واحد ثانیا
لم یثبت فیه ففی کلهم عند اجماعهم علی ما لا یوجد
ذلک فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثله من
الشارع صلی الله تعالی علیه وسلم وانهم یقربون لذلک
کله فلا اقل من ان نؤمن بان
عملهم مما یرجح احد المتعارضین
من الاحادیث علی الآخر
کعمل اهل المدینة المنورة
ولهذا استنوا مثل الحاکم
ابی عبد الله و سلیمان الاعمش ای للترجیح بعلمهم
ومحب الدین الطبری الرجال
الابطال من رؤساء علماء
السنة شیعة وقالوا صحیح
مسلم ملآن من الشیعة ولما
قال مالک بحجیة عمل اهل المدینة
المعظمة لزمه القول بحجیة علمهم
لا سیما فیما اجتمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت
دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے
حالات اور افعال وعادات
معلوم ہی نہونگے مگر اوسکے خاندان
کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر
اہل شہر سمجھینگے کہ یہ امور ہمارے
رئیس کے افعال وعادات سے ہین
اور خاندان مین داخل ہین اونکی
عورتین بھی اور ذکور اونکے
اولاد و اقربا سے اور خدم وموالی
اونکے کہ یہ سب محیط ہین احوال
داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے
یہان ہم اہل بیت نبوۃ سے
معنی عام مراد لیتے ہین جو شامل ہو
نسا نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و
عبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع
کرین اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت
توارث اونمین جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالی عنہم
لما ذکرنا وانھم حق وان لم
یاخذ بہ احد۔

(وہ) میرے نزدیک حجت ہے اور نہایت
قوی حجت جسکی صفت اور شان
تو سُن چکا۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت (ایک گھر مین رہنا ۱۲) کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور حضرت کے اہل وعیال وخاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارہ مین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علماء اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہوسکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ ان مین سے ہر ایک شخص کے افعال و اعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال و اعمال منفرداً حق اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین تو ضرور ہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہمین شارع ع کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعملھم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبداللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال ابطال اور روساء علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے۔

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواہ تمام خوارج ہین)

اور جب امام مالک قائل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر ائمہ اثنا عشر مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام بھی معلوم ہوئی وہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ علیہم السلام کو ترک کیا ہے۔ جیسے خود ملا معین دراسات اللبیب مین ان لفظون سے اقرار کرتے ہین فالفجیعۃ کل الفجیعۃ علی الامۃ ان خلت کتب المذاہب الاربعۃ عن مذھب اھل البیت رضی اللہ عنہم اجمعین ثم اذا وجد فیھا شئ من ذالک یعارض بمثل ھذا ولقد سبقت منا رسالۃ مفردۃ فی اسعاد الموضعین تکلمنا فیھا علی الثانی واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رضہ فلنکتف بہ ونتکلم علی الاول فاعلم ان آئمۃ الطاھرین رضی اللہ عنہم یحرمون الرای والقیاس ولھذا لما دخل ابو حنیفۃ علی جعفر بن محمد رضہ علی ما حکاہ الشعرانی فی اللواقح قال لہ بلغنی انک تقیس لا تقس فان اول من قاس ابلیس ص ۲۴۷

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتونسے اوسکا معارضہ کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ جسمین پورا جواب دیا ہے امام بحق جناب امام حسن کی طرفسے اوسی پر اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام
مین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نکر
کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے۔

بہرحال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ
حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت
یقینی ہے۔ اوس روز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا۔ اور یہ جواب دینگے
ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین عمل کرین۔
ہان انسانی ہمدردی۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح
کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدا نے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول
نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفا نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز
پڑھو ہاتھ کھول کر یا باندھ کر کیونکہ ابہی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون
حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کھولکر پڑھیں اور تمامی صحابہ وتابعین
وتمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز
پڑھتے دیکھتے۔ اونکا یہی عمل تہا۔
چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السّلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت
کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کھولکر پڑہا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی
کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی
معمول تھا۔
فروع کافی کے باب افتتاح الصلوٰۃ والحد فی التکبیر و ما یقال عند ذلک

میں ہے۔ علی بن ابراھیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوۃ قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیہ متوجہا الی
القبلۃ فاستفتحت الصلوۃ
ورکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح بالرجل
منکم ان یاتی علیہ ستون
سنۃ او سبعون سنۃ فلا یقیم
صلوۃ واحدۃ بحدودھا
تامۃ قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوۃ فقام
ابو عبد اللہ علیہ السلام مستقبل
القبلۃ منتصبا فارسل یدیہ
جمیعا علی فخذیہ قد ضم
اصابعہ وقرب بین قدمیہ
حتی کان بینہما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیہ جمیعا القبلۃ
لم یحرفہما عن القبلۃ وقال
بخشوع اللہ اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل ہو اللہ احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سی
روایت کرتے ہین کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ع نے مجھسے فرمایا ای
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑہے
مینے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہی
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہین۔ تم کہڑے ہوکر
نماز پڑہو۔ حماد کہتے ہین کہ مین کہڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
وسجود بجا لایا۔ حضرت نے فرمایا ای
حماد تونے اچھی طرح نماز کو نہین ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تملوگون کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑہو اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجا لاؤ۔ حماد
کہتے ہین اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور مینے عرض کیا کہ

ثم صبر هنیئة بقدر ما یتنفس
وهو قائم ثم رفع یدیه حیال وجهه
وقال الله اکبر وهو قائم ثم رکع
وملأ کفیه من رکبتیه مفرجات
ورد رکبتیه الی خلفه حتی استوی
ظهره حتی لو صب علیه قطرة من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عینیه ثم سبح
ثلاثا بترتیل فقال سبحان ربی
العظیم وبحمده ثم استوی قائما
فلما استمکن من القیام قال
سمع الله لمن حمده ثم کبر و
هو قائم ورفع یدیه حیال
وجهه ثم سجد وبسط کفیه
مضمومتی الاصابع بین یدی
رکبتیه حیال وجهه فقال سبحان
ربی الاعلی وبحمده ثلاث مرات
ولم یضع شیئا من جسده علی شیء
منه وسجد علی ثمانیة اعظم

آپ پر فدا ہون مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدہے ہوکر۔ اور دونون
ہاتھون کو آپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانوؤ پر اور انگلیان اوسکی
ملالین۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونو قدم کو۔ کہ اونمین تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیون کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کچھ نہ رہے تہ لہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورہ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑہا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لین۔ پھر دونو ہاتھو
اٹھا کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہین
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونون
ہتھیلیو نکو گھٹنو نسے۔ کہ انگلیان

الكفين والركبتين وانامل
ابهامي الرجلين والجبهة و
والانف وقال سبعة منها
فرض يسجد عليها وهي التي
ذكرها الله تعالى في كتابه
فقال وان المساجد لله فلا
تدعوا مع الله احدا وهي الجبهة
والكفان والركبتان والابهامان
ووضع الانف على الارض
سنة ثم رفع راسه من السجود
فلما استوى جالسا قال الله
اكبر ثم قعد على فخذه الايسر
وقد وضع ظاهر قدمه الايمن
على بطن قدمه الايسر وقال
استغفر الله ربي واتوب اليه
ثم كبر وهو جالس وسجد
السجدة الثانية وقال كما قال
في الاولى ولم يضع شيئا من بدنه
على شيء منه في ركوع ولا سجود

کھلی ہوئی تھیں - اور دبایا گھٹنے
کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے - یا تیل تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تھی اور ٹہرا دیا
گردن کو - اور بند کر لیا آنکھونکو
اور تین مرتبہ بترتیل کہا سبحان
ربی العظیم وبحمدہ پھر سیدھے
کھڑے ہوئے جب اچھی طرح کھڑے
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونو
ہاتھون کو چہرہ تک بلند کیا - پھر
سجدہ کیا - اور پھیلا دیا ہتھیلیون کو
کہ انگلیان اوسکی ملی ہوئی تھیں -
سامنے دونو گھٹنون کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ
رکھا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وکان مجخا ولم یضع ذراعیہ	بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
علی الارض فصلی رکعتین علی	دونوں ہتھیلیاں۔ دونوں گھٹنے اور
ھذا وبداہ مضمومتا الاصابع	دونوں زانو اور دونوں انگشت
وھو جالس فی التشھد فلما	پیروں کی۔ اور پیشانی اور ناک
فرغ من التشھد سلم فقال	اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ
یا حماد ھکذا صل	کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر

کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا میں کہ وہ پیشانی۔ دونوں کف دست دونوں گھٹنا۔ دونوں انگشت ہیں پیروں کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے۔ پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ سے جب سیدھے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائیں زانو پر کہ ظاہر قدم ایمن رکھا بطن قدم ایسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح پہلے سجدہ میں کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری عضو پر رکوع و سجود میں اور تھے پھیلائے ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دست کو زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی اور دونو ہاتھ آپکے مضمومۃ الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کر۔ تمام ہوا ترجمہ

میں نے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کھولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکھانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتمد اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا۔ اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد وازواج رسول ومولی وصحابہ وتابعین وتبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے۔ اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے۔ تو اب اہلسنت غور کرین۔ اونکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین۔ تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے۔ والحمد للہ اولا واخرا والصلوۃ علی نبیہ واھلبیتہ باطنا وظاھرا

دوسرا اجمالہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ حدثنا عبداللہ بن مسلمہ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان الناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

الیسری فی الصلوۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی

النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نماز میں رکھیں حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہوں نے ابی حازم سے اونہوں نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کئے جاتے۔ اس بات کا کہ دہر رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائیں ہاتھ کی نماز میں۔ کہا ابو حازم نے میں نہیں جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہیں کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ ابن سہیل بن سعد روایت کرتے ہیں لوگوں کو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھیں۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہیں۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہیں وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص ۱۴ جلد ۳

یعنی اسمیں پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہیں اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جس روایت میں عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے اور عنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں

دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا قعود سے۔ اسلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑہانا پڑا ای فی حال القیام مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجھا جائے

تیسرے اسمین بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا کون حکم دیتا۔ اسی سے ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا ھذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الآمر لہم بذلک ھو النبی کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے (یعنی نسبت ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول اللہ تھے جیسا آتا ہے۔

مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب نہیں لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کہول کر نماز پڑہنا انکا مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی مین جہانتک جانتا ہون وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب دیا ہے قیل لو کان مرفوعا ما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع۔ یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی۔ (یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہون نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کرین طرف تصریح کے (یعنی تصریح کردین کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہین۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلئے اسکی تصریح کردی کہ یہ روایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا۔ اوسوقت تک حدیث کی مرفوعیت نہیں معلوم ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہین واعترض الدانی فی اطراف الموطا فقال ھذا معلول لانہ ظن من ابی حازم ورد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نومر یکن ایصرف

ظاهره الی من له الامر وهو النبیؐ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی مرصدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نومر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک هو النبیؐ واطلق البیهقی انه لاختلاف فی ذلک بین اهل النقل ص۲۰۶

کرمانی نے اطراف موطا میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور سوا ان راوی کو کوئی خبر نہیں) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہانتک جانتے ہیں اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع میں ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پہ محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہیں۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع میں ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دیئے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمیں اختلاف ہی نہیں۔

اقول افسوس ہے۔ تو اسپرکہ یہ حضرات دعوی کرتے ہیں علم حدیث کا اور مطلقاً اوس سے بہرہ نہیں رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر یا اور اقوال صحابہ میں جو اسطرح وارد ہیں۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہیں کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہاں مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسولؐ تھا۔ بخلاف اسکے یہاں چونکہ اصل حکم رسولؐ نہیں ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑھانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا
تھا۔ اسلئے ابوحازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی۔
ضعیف ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابوحازم
کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی پس یہ قول ابوحازم خود اسکا
قرینہ ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصلی حدیث بنا بجائے
کافی تھی اسلئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب
اتحاد اوسمین کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے
اوسکی وضعیت کھل جاے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث
ہم وضع کر رہے ہیں۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے
کسی طرح اسکو ایسا بنائیں کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی
نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھا دیتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی
پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث
مین جو صحیح روایتیں ہوئی ہیں اونمیں ایسی باتیں نہیں ہوئیں
اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے
ملاحظہ فرمائیں کہ لکھتے ہیں وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی
وصحیح ابن السکن شیٔ یستانس بہ علی تعیین الامر وانما ورد
فروی عن ابن مسعود قال رانی النبی واضعا یدی الیسری
علی الیمنی فنزعها ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابو داؤد - نسائی - صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے - جس سے اس بات کی مدافعت ہوتی ہے کہ آمر و مامور معین ہو - کیونکہ - روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہنی ہاتھ پر رکھے ہوئے - تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا - سند اسکی حسن ہے -

مگر ہمارے اس استیناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے - اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین -

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا -

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود - پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے -

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہدیگا کہ جسطرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پڑھ وہ پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر این خیالات و محالست و جنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کہولنا تھا۔ چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہین وروی ابن القاسم عن مالک الارسال وصار الیہ اکثر اصحابہ وعنہ التفرقۃ بین الفریضۃ والنافلۃ ومنہم من کرہ الامساک ونقل ابن حاجب ان ذلک حیث یمسک معتمدا لقصد الراحۃ

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ و نافلہ مین فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندہنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندہنا بضرورت جائز ہے کہ بقصد آرام ایسا کیا جاتا ہے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول دوسرے یہ کہ حدیث صحیح نہین ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔

وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی

یعنی کہا ابو حازم نے کہ مین جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے - اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی - اگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمعیل کہتے ہین یہ یُنمی ہے بصیغہ مجہول - نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے یُنمی کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے آنحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابو حازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظون کا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول (ابو حازم مین یُنمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے - تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی - جو صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغۃ المجہول یکون الحدیث مرسلا لان ابا حازم لم یعین من انما لہ وعلی صیغۃ المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیہ یکون لسہیل بن سعد لان ابا حازم قد یتعین لہ المنمی وھو سہیل بن سعد ص ۱۶ ج ۳

بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمعیل یُنمی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑہنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑہنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر جائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہوسکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکہا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہتہا کہ وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کہ کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہوسکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبد الحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی مین لکھتے ہین۔ قال ابن الصلاح لا فرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النووی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ہذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا او نہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناہی احد الخلفاء الراشدین انتہی وہذا الاحتمال قوی الغبۃ ص ۱۱۲

یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تہا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

علینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر ونا ہی خلفار راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبد الحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة اسکے جواب مین لکھتے ہیں لا حجة للشافعیة فی هذا الحدیث لانه لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی صلعم ظفر الامانی ص ۱۱۰

پس جب بلال کے بارہ مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارہ مین بدرجہ اولی یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔ جسکا سبب یہ ہے ثمرہ اور قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہین انہوں نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اونکے اپنا مذہب قائم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہین ومن جملة ما احتجوا به فی الوضع حدیث رواه ابن ماجه من حدیث الاحوص عن سماك بن حرب عن قبیصة بن الهلب عن ابیه قال کان النبی صلعم یؤمنا فیاخذ شماله بیمینه وحدیث آخر اخرجه مسلم فی صحیحه عن وائل بن حجر ان رسول الله صلعم رفع یدیه الحدیث وفیه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان تحدث عن عبداللہ بن مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراٰه النبی علیه الصلوٰۃ والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی قال انا معشر الانبیاء امرنا بان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰۃ وفی اسناده طلحة ابن عمر متروک وعن ابن معین لیس بشئ وحدیث آخر اخرجه الدار قطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین لیس بشئ ضعیف ص ۱۵۱ جلد ۳

یعنی جن حدیثون سے ہاتھ باندہنے پر یہ لوگ استدلال کرتے ہین ایک حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب۔ مہلب سے روایت کرتے ہین کہ حضرت ہلوگونکو نماز پڑہارہے تھے تو بائین ہاتھ کو پکڑا دائین ہاتھ سے۔

دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ اپنا رکھا بائین ہاتھ پر۔

تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی۔ وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ رکھا بائین پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب سے ابو عثمان کہ وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایان ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم پیغمبر معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑیں۔ اس روایت میں طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشیٔ

پانچویں حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند میں نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشیٔ ہے ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثیں ہیں جنمیں دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشئی ہے۔ باقی رہی تین روایتیں انکی روایت کے راوی اول احوص ہیں خلاصہ تہذیب الکمال میں ہے قال ابن معین ثقة و مرة ثقة لیس بذاك المتوفی سنہ ۲۱۱ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہیں دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہیں میزان الاعتدال میں ہے صفحہ جلد اول

سماك بن حرب ابو المغيرہ الهذلي الكوفي صدوق صالح من اوعية العلم مشهور روى ابن المبارك عن سفيان انه ضعيف وقال جرير الضبي اتيت سماكا فرأيته يبول قائما فرجعت

خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہیں صالح ہیں اوعیہ علم سے ہیں روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہیں۔

جریر ضبی کہتے ہیں کہ ہم سماک کے یہاں گئے تو اوسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آگئے

ولم اساله فقلت خرف
وروى احمد بن ابي مريم
عن يحيى سماك ثقة كان
شعبة يضعفه وقال
جناد المكتب كنا ناتي سماكا
فنساله عن الشعر ويأتيه
اصحاب الحديث فيقبل
علينا ويقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروى
مومل عن حماد بن مسلمه
سمعت سماك بن حرب
يقول ذهب بصري فرايت
ابراهيم الخليل في النوم
فقلت ذهب بصري فقال
انزل الفرات فاغمس سماك
وافتح عينك ان الله يرد
عليك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علي بصري
وقال ادركت ثمانين من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین۔ مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم
کو خواب مین دیکھا اونسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ۔
اور آنکھین کھولدو۔ اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہوگئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی
صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابوحاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماك مضطرب
الحديث وقال هو اصلح
حديثا من عبد الملك
بن عمير وقال ابو حاتم
ثقة صدوق وقال صالح
جزرة ضعيف وقال النسائي
اذا انفرد باصل لم يكن
حجة لانه كان يلقن فيتلقن
روى حجاج عن شعبة قال
كانوا يقولون سماك وعكرمة
عن ابن عباس فيقول
نعم فاما انا فلم اكن القنه
قد روى قتادة عن ابي
الاسود الدولي قال ان سرك
ان يكذب صاحبك
وقال عبد الله بن احمد بن
حنبل قرات بخط ابي عن
رجل لم يسمه قال كان
سماك بن حرب فصيحا

کریں تو وہ قابل احتجاج نہین
کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے
تو یہ اوسکو یاد کرلیتے تھے۔ شعبہ
کہتے ہین کہ لوگ کہتے تھے سماک
وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ
کہتے ہاں۔ ہم اونکی تلقین نہ
کرتے تھے۔ عبداللہ بن احمد
بن حنبل کہتے ہین کہ مینے اپنے
باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ
سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی
سے۔ حدیث کو زینت دیتے
ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے
اور شعبہ نے اور ایک جماعت
نے روایت کی ہے ابن مدینی
کہتے ہین کہ اونکی دو سو روایت
ہے۔ ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر
غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت
مین اختلاف کرتے۔ عجلی جائز
الحدیث کہتے ہین سفیان ثوری

يزين الحديث منقطع
وفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في رواية عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبة وزائدة وابو عوانة
والناس قال ابن المديني
له نحو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليلا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبة يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمة
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبة هو في غير عكرمة
صالح وليس من المتثبتين ص ٣٨٤

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم - کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے - یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں غیر عکرمہ میں صالح
ہیں - مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ
راوی سوم قبیصہ بن مہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماک وقال العجلی ثقة
تابعی ص ۱۳ جلد ۲
کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے انسے روایت نہیں کی -
عجلی ثقہ و تابعی کہتے ہیں -
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قطعی تمام

عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔

اس حدیث مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہمکو گونکو نماز پڑہاتے تھے تو بائین ہاتھ کو دہنے ہاتھہ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہین تو حدیث صحیح کہان رہی اسپر بناکرکے ہاتھ باندہنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا ہمنے بایان ہاتھ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائین پر رکھدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی، وغیرہ وعنہ یزید بن ہارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ہو بقوی ولاحافظ ص۱۸۸ جلد اول

کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث تھا ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم ہے حدثنا زھیر بن حرب قال نا عفان قال ناھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبد الجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولی لھم انھما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبیؐ رفع یدیہ حین دخل فی الصلوۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتھون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف کے اوڑہا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھون کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑہ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتا رہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یعنی علی البصری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہین ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑہے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہی کیونکر نہین ۔

ہان اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ نیچے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس ۔

غرض یہی دو روایتین ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندہنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجۃ الجمہور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ہہنا وحدیث ابی حازم رواہ البخاری ص ۱۰۲

یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندہنے کے قائل ہین ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور بہی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا

مگر انسب روایتون کا جواب علماء متقدمین دیتے ہین کہ اگر یہ روایتین صحیح ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ کہول کر نماز پڑہتے ہین ۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بیداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی ہین - تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرتے

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندہنے کے موجد امام ابو حنیفہ ہین - جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیتؑ ایجاد کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آور وہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور رہوئے کہ اس قسم کی روایتین ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع ہوئی کیونکہ

اولا اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف - اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی لئے اونہون نے شاہی قواعد و آداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب دست بستہ کھڑے ہون - یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارع نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا -

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی - اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیت تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد سے نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیت کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معویہ کہ اے معویہ تو نے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہوسکتے تھے۔ اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ
کو چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت
پیش نظر کردیا۔

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی
عباس و دو ولاد جناب امیر آمین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور
دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا۔ اسلئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور
تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت
اور ہواخواہان اہلبیت علیہم السلام طاہرین متمیز ہو جائین۔ اسلئے ہاتھ باندہنے
نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا۔

مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پایۂ تخت خلافت سے دور تھا۔ اسلئے
ادسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور رہتے کہ اوسی طریقہ کو جاری
رکھیں جو زمانۂ رسول اللہ سے مروج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے
اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت
کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے
فرمایش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین۔ ایک
روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان
نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے
ادسے آنا چاہئے۔ اسلئے اور بھی اونہون نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابوحنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو گنا کرو۔ ابوحنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے۔ اسلئے جو ہوائے سلطنت ہوتی اوسکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے اسلئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہ سکتا ہے کہ ایسے جسمی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو **رسالہ وضو** مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہ مین کیسا۔ حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دھونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجئے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندہ تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیونکے نزدیک ناف پر

ہاتھ رکھنا چاہئیے اونمیں کوئی تصریح اسکی نہیں ہے کہ کہاں ہاتھ باندھنا
چاہئیے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح مین یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیون نے حضرت علیؑ کی
روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپنے فرمایا سنت یہ ہے کہ داہنا
ہاتھ بائین ہاتھ پر زیر ناف رکھے۔ امیر عینی لکھتے ہین قلت ھذا
قول علی بن ابیطالب واسنادہ الی النبی غلط ص۱۵ جلد ۳
یعنی یہ قول حضرت علیؑ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہ کیطرف
غلط ہے۔
جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ وضعی روایت کیون حضرت کیطرف
منسوب کی گئی۔ اسی لیئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے مین شریک کرلئے
جائین۔
پھر لکھتے ہین والذی روی عن علیؑ فیہ مقال لان فی سندہ
عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشئ منکر الحدیث
یعنی جناب امیر والی روایت مین یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند مین
عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہین کہ وہ منکر
الحدیث ہے اور لیس بشئ۔
میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست
بردار ہوگئے ہون کیونکہ اسکا یہ جواب دیا کہ ابو داؤد نے اوس سے
روایت کی۔ اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہواداری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑہین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین دو ایک حدیث کا منا بھی ضرور ہے کہ مسلمانون نے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ براے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کہول کر نماز پڑہیے۔ جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و

وحکی ابن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلہما وکذلک عند مالک فی المشہور یرسلہما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ صرہا۔

یعنی ابن المنذر نے عبد اللہ زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر
نماز پڑھتے تھے - اور مالک سے بھی روایت مشہور رہی ہے
مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے اگر نماز مین طول
ہو جائے تو داہنا بائین پر رکھے -

کیونکہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے گا تو آپکو ہزارون دقتین پیش
ہین - اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندہے گا تو گو مذہب شافعی مین
جائز ہے - مگر حنفیون کے یہان ناجائز - اور دونون کا استدلال
حدیث سے ہے - پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہمنے
تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی - اور امام
احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے -
اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ
علامہ حلبی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین
ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیے - ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے
بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیے - محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا
چاہیے (یعنی پکڑنا نہ چاہیے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر
و ابہام سے پکڑنا چاہیے یہی مختار ہے - ذرایہ مین ہے کہ کوع
الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف الیمن
سے پکڑے - یہی قول احمد و شافعی کا ہے - ابو یوسف و محمد کی ایک
روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر پھیلا رکھے اور [illegible]

اور اکثر مشایخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندھے ہتنع پر ص۳۵ جلد۳

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمجہ مین ایسی موشگافی ہو سکتی ہے حاشا وکلا یہ سب حنفیون کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک وتوہین ہوتی ہے۔

ان سکے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین

الوجه الخامس فی الحکمة فی الوضع علی الصدر وا لسرة فقیل الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیه حفظ نور الایمان فی الصلاة فکان اولی من اشارته الی العورة بالوضع تحت السرة وهذا قول من ذهب الی ان السنة الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرة اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبیه باهل الکتاب واقرب الی ستر العورة وحفظ الازار عن السقوط وذالك کما یفعل بین یدی الملوك وفی الوضع علی الصدر تشبیه بالنساء فلا یسن ص۱۷ جلد۳

کہ ہاتھ باندہے کا کیا فائدہ ہے۔ سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت (یعنی آلہ تناسل کیطرف) اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہ بند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد ہو جاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہیں زیر ناف ہاتھ باندھنے کے

اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے۔ لہذا یہ مسنون نہیں ہے ص۱۶ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام ابو حنیفہ اسکے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمیں اونکو اہل کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انہونے زیر ناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہوں اور پھر شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہوں کہ ہاتھ عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کسوقت تخلیہ ہو سکتا ہے

بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا جو کچھ تمکو رسول دین اوسکو لے لو اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی تو ہزار ہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہیں جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہین، اور اس سے نہین
شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیوں پر بقول عینی زنانہ پن
غالب ہے لہذا اونہون نے عورتون کی مشابہت اختیار کی۔
اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے
کی ضرورت تھی لہذا اونہون نے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے
اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر
نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ
ہاتھ کہولکر نہ پڑہنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک
نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت
ظاہر ہوتی اور اسکی نشانی کہ ہر وقت ہاتھ کہلے ہوتے ہین جسکی طرف
خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فهذا آخر الكلام في هذا المقام والله ولي
الانعام والصلوة والسلام على رسوله
وآله الغر الكرام ولعنة الله على اعدائهم
الكفرة الفجرة اللئام منه الاحقر الافقر
خادم الشرع الاطهر علی اظهر
حشره الله مع النبي وآله خير
البشر